35548
230

۲

محترم مفتی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(۱) ہمارے علاقے میں چاول کی فصل کے موقع پر جب زمیندار فصل کی کٹائی کرواتا ہے تو اس کے بعد اس کے لئے اس فصل کو سنبھال کر رکھنے کے انتظامات نہیں ہوتے، اور وہ اس فصل کو بیوپاری کے پاس فروخت کرنے کے لئے لے جاتا ہے، فصل کی کٹائی کے وقت بیوپاری حضرات نے ریٹ بہت کم رکھے ہوتے ہیں، اور ہمارے ہاں یہ حضرات حکومت کے اتنے زیر اثر نہیں ہیں، اور حکومت کا وہاں اس معاملے میں اتنا کنٹرول نہیں ہے، لہذا اپنی مرضی سے ریٹ مقرر کر لیتے ہیں، اب زمیندار اپنی فصل کو ان کے حوالے کرنے پر بھی مجبور ہوتا ہے، تو ایک صورت تو یہ ہے کہ کم ریٹ پر ہی بیوپاریوں کو دیدیا جائے تو ایسی صورت میں محنت کرنے والے زمیندار کو خاطر خواہ نفع نہیں ہوتا، اور بعض اوقات بہت کم نفع ہوتا ہے جس سے اس کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے اور بیوپاری بہت نفع کما جاتا ہے جبکہ اس کی خاص محنت بھی نہیں ہوتی، ایسی صورتحال میں ہمارے ہاں ایک طریقہ یہ رائج ہے کہ وقتاً فوقتاً سے فصل کاٹی جاتی ہے اور جتنی فصل کٹتی جاتی ہے، بیوپاری کے حوالے کردی جاتی ہے، البتہ اس سے یہ کہا جاتا ہے کہ بازاری ریٹ کے مطابق ہم قیمت بعد میں طے کرلیں گے یعنی جس دن زمیندار چاہے گا اس دن کے بازاری ریٹ کے حساب سے ریٹ بیوپاری سے طے کر کے رقم کا حساب کر لے گا۔ اس میں عموماً نزاع وغیرہ نہیں ہوتا، اور زمیندار کو یہ سہولت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ بازاری ریٹ بڑھنے پر بیوپاری سے اس ریٹ کے حساب سے رقم طے کرالیتا ہے بہرصورت بیوپاری چاول کی فصل لینے کے بعد اپنے پاس زیادہ عرصہ رکھتا نہیں ہے بلکہ عموماً ساتھ ہی ساتھ دوسری جگہوں پر آرڈر کے حساب سے سپلائی کرتا جاتا ہے، تو یہ صورت جو کہ عام ہو چکی ہے اور عام طور پر اسی طرح فصل کی خرید و فروخت کا طریقہ رائج ہو چکا ہے تو کیا ہمارے لئے اس طریقہ کار کے مطابق فصل کو فروخت کرنے کی گنجائش ہے؟

(۲) مذکورہ صورت میں یہ بھی ہوتا ہے کہ کٹائی کے اخراجات کی ادائیگی کے لئے بعض اوقات زمیندار کو رقم کی ضرورت ہوتی ہے تو اس کی ادائیگی کے لئے وہ بیوپاری کو فصل میں سے کچھ متعین من چاول کی موجودہ ریٹ کے اعتبار سے نقد رقم وصول کر لیتا ہے، اور باقی فصل کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ اس کا ریٹ بعد میں بازاری نرخ کے حساب سے طے کرلیں گے۔ اس صورت کا شرعی حکم کیا ہے؟

سائل

ابن عبدالخالق

ڈیرہ غازیخان پنجاب

0333 – 6463031

بمعرفت مولانا عبدالحفیظ صاحب

Scanned by CamScanner

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب حامداً ومصلّیاً

(۱)۔۔۔ سوال میں چاول کی خرید وفروخت کا جو طریقہ مذکور ہے، اصلاً تو یہ معاملہ فاسد ہے کیونکہ اس میں بیوپاری کو دی جانے والی فصل کی قیمت متعیّن نہیں، اور خرید وفروخت کے وقت اگر بیچی جانے والی چیز کی قیمت متعیّن نہ ہو تو اس سے معاملہ فاسد ہو جاتا ہے، تاہم اگر اس طرح خرید وفروخت کا طریقہ معروف اور رائج ہو کہ فصل کا ریٹ کم ہونے کی وجہ سے فی الحال تو چاول بیوپاری کو بیچ کر اس کے سپرد کر دئے جاتے ہوں (بشرطیکہ چاولوں کی مقدار بھی متعیّن ہو) پھر بعد میں جس دن زمین دار چاہے، اُس دن کی بازاری قیمت کے لحاظ سے فصل کا، بھاؤ طے کر کے بیوپاری سے لین دین صاف کر لیا جاتا ہو اور اس طرح معاملہ کرنے میں نزاع اور جھگڑے کا بھی اندیشہ نہ ہو تو اس طریقۂ کار کے مطابق زمین دار کے لئے فصل فروخت کرنے کی گنجائش ہے لیکن جس دن، اُس فصل کی بازاری قیمت طے کی جائے گی، اُسی وقت چاول کی بیع درست سمجھی جائے گی اور جس دن بیوپاری نے اس فصل پر قبضہ کیا تھا، اُس دن سے اس پر بیع کے تمام احکام جاری ہونگے اور اب تک بیوپاری نے اس فصل میں جو جائز تصرفات کئے ہونگے، سب درست اور نافذ سمجھے جائیں گے۔

بحوث في قضايا فقهية معاصرة– القاضي محمد تقي العثماني – (١ / ٥٢)

أما الحالة الثالثة: فهي أن لا يكون الثمن معلوماً عند الأخذ، ولا يتفاوت المتبايعان في بداية تعاملهما على أساس منضبط لتحديد الثمن يؤمن معه النزاع، بل يتعاملان هملا، ولا يتعارضان للثمن أصلاً. وحينئذ، لاشك في أن الثمن مجهول عند أخذ الأشياء جهالة فاحشة ربما تؤدي إلى النزاع، فلا ينعقد البيع عند الأخذ، فتبقى هذه المعاملة فاسدة إلى أن يقع بينهما تصفية الحساب. ولكن ذكر المتأخرون من الحنفية أن هذه المعاملة تنقلب جائزة عند التصفية إذا اتفقا على ثمن.

ثم ذكر بعضهم أن هذه المعاملة تصح عند التصفية بيعاً. فكأن بيع تلك الأشياء قد انعقد الآن بمعرفة ثمن كل واحد منها. ويستشكل هذا بأن كثيراً من الأشياء المأخوذة قد استهلكها المشتري بعد أخذها حتى انعدمت عند التصفية، فكيف يصح بيعها وهي معدومة؟ فأجابوا عنه بأنه وإن كان بيعاً للمعدوم، ولكن مثل هذا البيع جاز استحساناً للعرف، أو التعامل، أو عموم البلوى، وهو موقف ابن نجيم في البحر الرائق والأشباه والنظائر كما ذكرناه من قبل.

والذي يظهر لهذا العبد الضعيف عفا الله عنه أن التخريج الأول هو الراجح، وهو أن هذه المعاملة تصح بيعاً عند تصفية الحساب إذا اتفقا الفريقان على

دار الافتاء

Scanned by CamScanner

الإجمالي للمأخوذات. وأما الاستشكال بكونه بيع المعدوم، فالأحسن في جوابه أن يقال: إنه ليس بيعاً للمعدوم، بل هو بيع لما استهلكه المشتري، وانتفع به انتفاعاً تامّاً. وبيع المعدوم إنما يحرم من جهة أنه يتضمن الغرر، فربّما لا يقدر البائع على تسليمه إلى المشتري. ولا غرر ههنا، لأن البائع سلّم المبيع إلى المشتري فعلاً، فالمبيع كان موجوداً عند المشتري، وانتفع به المشتري حتى استهلكه، فيعتبر عند التصفية كالموجود تقديراً، فيصح بيعه.

(۲)۔۔۔صورتِ مسئولہ میں چاولوں کی جتنی مقدار متعین کر کے نقد بیچنے کا معاملہ کیا جاتا ہے، وہ تو اسی وقت درست ہو جاتا ہے لیکن باقی فصل (جس کا ریٹ بعد میں بازاری نرخ کے مطابق مقرر کرنا طے پایا ہے) کا معاملہ، جواب نمبر ایک (۱) میں مذکور تفصیل کے مطابق، قیمت طے ہونے کے دن تک فاسد رہے گا البتہ جس دن قیمت کا معاملہ طے ہو جائے گا، اسی دن یہ معاملہ بھی درست سمجھا جائے گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ أعلم بالصواب

محمد وقاص

محمد وقاص

دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی

۱۹/صفر الخیر/۱۴۳۵ھ

۲۳/دسمبر/۲۰۱۳ء

الجواب صحیح
احقر محمود اشرف غفراللہ
۱۹/۲/۱۴۳۵ھ

مفتی

الجواب صحیح
عبدالمنان عفی عنہ
۲۰/۲/۱۴۳۵ھ

نائب مفتی

الجواب صحیح
محمد یعقوب عفی عنہ
۱۹/۲/۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح
۱۹/۲/۱۴۳۵ھ

دارالافتاء

Scanned by CamScanner

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب حامدًا ومصلیا

مذکورہ تینوں صورتوں میں کپاس کی خریدوفروخت کا جو طریق ِ کار مذکورہے، اس کی رُو سے اصلاً تو یہ معاملہ فاسد ہے، کیونکہ ان صورتوں میں زمیندار جب فیکڑی مالکا ن کو کپاس دیتے ہیں اس وقت اس کی قیمت متعین نہیں ہوتی، اور خرید وفروخت کے وقت اگر بیچی جانے والی چیز کی قیمت متعین نہ ہو تو اس سے معاملہ فاسد ہوجاتا ہے، تاہم اگر اس طرح خرید وفروخت کا طریقہ رائج اور معروف ہو کہ فی الحال تو زمیندار کپاس بیچ کر فیکڑی مالکان کے حوالے کردیتے ہوں ، پھر بعد میں جب زمیندار چاہیں اس دن کی بازاری قیمت کا لحاظ کرکے یا ان دنوں کے عام ریٹ کا اوسط نکال کر فریقین قیمت طے کرکے لین دین صاف کرلیتے ہوں تو اس طریق کار کے مطابق کپاس فروخت کرنے کی گنجائش ہے،بشرطیکہ اس طرح معاملہ کرنے میں فریقین کے درمیان نزاع اور جھگڑے کا کوئی اندیشہ نہ ہو اور جب اس کپاس کی قیمت طے کی جائے گی اسی وقت یہ بیع درست اور جائز ہوجائے گی ،البتہ بیع کے احکام اس دن سے جاری ہونگے جس دن فیکڑی مالکان نے کپاس پر قبضہ کیا تھا، لہٰذا اس دوران فیکڑی مالکان نے اس میں جو تصرفات کئے ہونگے ، وہ بھی درست اور نافذ سمجھے جائیں گے.(مستفاد من التبویب: (1584/39

تاہم چونکہ ابتداءًا یہ معاملہ فاسدہوتا ہے،اس لئےصحیح طریقہ یہ ہےکہ فریقین خرید وفروخت کرتے وقت ہی باہمی رضامندی سے کسی ایک قیمت پر اتفاق کرلیں، تاکہ شروع سے یہ معاملہ صحیح اور درست ہو.البتہ بعد میں رقم کی ادائیگی کے وقت اگر باہمی رضامندی سے رقم میں کمی یا اضافہ کرلیا جائے تو اس کی اجازت ہے بشرطیکہ دونوں کی

Scanned by CamScanner

خوش دلی سے ہو۔

فیض الباری - (4/431)

(باب من أجرى أمر الأمصار على ما يتعارفون بينهم في البيوع والإجارة والمكيال والوزن وسننهم على نياتهم ومذاهبهم المشهورة)

ولذا أقول فی ما أظن والله تعالى أعلم، إن من البيوع الفاسدة مالو أتى بها أحد جازت ديانة وإن كانت فاسدة قضاءً، وذلک لأن الفساد قد يكون لحق الشرع بأن اشتمل العقد على مأثم فلايجوز بحال، وقد يكون الفساد لمخافة التنازع ولايكون فيه شيئ آخر يوجب الإثم، فذلک إن لم يقع فيه التنازع جاز عندى ديانة، وإن بقى فاسدا قضاءً،لإرتفاع علة الفساد وهى المنازعة ..... ونبه الحافظ بن تيمية فی رسالته على أن من البيوع مالايقع فيها النزاع فتكون تلک جائزة،فإذا أدخلتها فی الفقه وجدتها محظورة، لأنّ أكثر أحكام الفقه تكون من باب القضاء،والديانات فيها قليلة، وإنما يصار إلى القضاء بعد النزاع، فإذا لم يقع النزاع ولم يرفع الأمر إلى القاضی نزل حكم الديانة لا محالة، فيبقى الجواز.

بحوث في قضايا فقهية معاصرة (1/65-68)

أما الحالة الثالثة: فهي أن لا يكون الثمن معلوما عند الأخذ، ولا يتفاوت المتبايعان في بداية تعاملهما على أساس منضبط لتحديد الثمن يؤمن معه النزاع، بل يتعاملان هملا، ولا يتعارضان للثمن أصلا. وحينئذ، لاشك في أن الثمن مجهول عند أخذ الأشياء جهالة فاحشة ربما تؤدي إلى النزاع، فلا ينعقد البيع عند الأخذ، فتبقى هذه المعاملة فاسدة إلى أن يقع بينهما تصفية الحساب.

Scanned by CamScanner

ولكن ذكر المتأخرون من الحنفية أن هذه المعاملة تنقلب
جائزة عند التصفية إذا اتفقا على ثمن..........والذي
يظهر لهذا العبد الضعيف عفا الله عنه أن التخريج الأول
هو الراجح، وهو أن هذه المعاملة تصح بيعا عند تصفية
الحساب إذا اتفقا الفريقان على الثمن الإجماليّ
للمأخوذات. وأما الاستشكال بكونه بيع المعدوم،
فالأحسن في جوابه أن يقال: إنه ليس بيعا للمعدوم، بل
هو بيع لما استهلكه المشتري، وانتفع به انتفاعا تاما.
وبيع المعدوم إنما يحرم من جهة أنه يتضمن الغرر، فربما
لا يقدر البائع على تسليمه إلى المشتري. ولا غرر ههنا،
لأن البائع سلم المبيع إلى المشتري فعلا، فالمبيع كان
موجودا عند المشتري، وانتفع به المشتري حتى
استهلكه، فيعتبر عند التصفية كالموجود تقديرا، فيصح
بيعه..............................

والله سبحانہ أعلم بالصواب

(محمدابوبکرغفراللہ لہ)

دارالافتاء جامعہ دار العلوم

کراچی

1.26 ۱۴۳۷ھ

11.9 ۲۰۱۵ء

Scanned by CamScanner